نسیم حجازی کے ناولوں میں ہجرت کا رنگ

طارق بن عُمر
اسسٹنٹ پروفیسر، انچارج ڈپارٹمنٹ آف اُردو
جامعہ شاہ عبداللطیف، خیرپور

Abstract: Naseem Hijazi narrated the migration with the sorrowful feeling in his book. Migration keeps a lot of troubles and worries, the writer has displayed via the characters.
If migration is on the basis of religion, then what kind of stories and events occur, such kind of feelings are strongly injected. Naseem Hijazi studied history of Muslim nation described in detail the disappointments of migration and its facts.

Key words: Migration, Sorrow, Passion, Humanity, rise and fall.

تلخیص:۔ نسیم حجازی نے اپنے ناولوں میں ہجرت کے عمل کو کرب کے احساس کے ساتھ پیش کیا۔ ہجرت اپنے اندر کتنے دُکھ اور تکلیف رکھتی ہے، اپنے کرداروں کی مدد سے محسوس کرایا۔ جب مذہب کی بنیاد پر ہجرت ہوتی ہے تو کیسے ایسے جنم لیتے ہیں، اس طرزِ احساس کو اپنی شدت کے ساتھ بیان کیا۔ نسیم حجازی نے مسلم قوم کی زندگی کے نشیب و فراز کا مطالعہ کیا۔ ہجرت اپنے اندر جن مایوسی کو جنم دیتی ہے، اُن تاریخی عوامل پر روشنی ڈالی۔

کلیدی:۔ ہجرت، دُکھ، شدت، انسانیت، عروج و زوال

وقت ایک ایسی اکائی ہے جس کا ہر لمحہ انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔ یوں اُس کی حرکت ساری زندگی انسان کو محسوس ہوتی رہتی ہے۔ انسان کا ذہن ہمیشہ اُس ردِ عمل کے لیے تیار رہتا ہے، جو وقت اُسے دے جاتا ہے۔

> "زندگی کو بامعنٰی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کے سامنے ایک سوچا ہوا نشانہ ہو، جس کی صداقت پر اس کا ذہن مطمئن ہو۔ جس کے سلسلے میں اس کا ضمیر پوری طرح اس کا ساتھ دے رہا ہو، جو اُس کی رگ وپے میں خون کی طرح اترا ہوا ہو"۔(۱)

نسیم حجازی نے اپنے ناولوں میں وقت کے ایک ایسے لمحوں کی بات کی ہے، جب فرد اندرونی و بیرونی طور پر ایک ایسی بے بسی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اُن لہروں کے سُپرد کر دیتا ہے۔ جسے ہم ہجرت کا نام دیتے ہیں۔ ذہنی و جسمانی طور پر یہاں تک کہ معاشرتی و معاشی لحاظ سے بھی یہ عمل اِس قدر اپنے اندر اثرات رکھتا ہے، کہ زمانہ چاہے کتنی ہی کروٹیں بدل لے، ہجرت کا رنگ کئی نسلوں تک اپنے اندر کرب و شدت کے ساتھ موجود رہتا ہے۔ یوں لاکھوں افراد نفسیاتی دباؤ میں آجاتے ہیں، جو اپنے اندر ردِ عمل کی طاقت رکھتا ہے۔ اِس طرح آہستہ آہستہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل پاتا جاتا ہے، جو اندرونی و بیرونی طور پر عدم توازن کا شکار رہتا ہے۔ نسیم حجازی نے اپنے

ناولوں میں جب بھی کسی خاص علاقے یا واقعہ کے تناظر میں ہجرت کے عمل کو دکھایا ہے تو اِس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ انسانی زندگی میں ہجرت کے واقعہ نے کتنا اثر ڈالا بلکہ زمانے کی تبدیلی نے جس نشیب و فراز کو پیدا کیا اُس نے اپنے اندر ایک احساسات و جذبات اور خدشات کی ایک وسیع دنیا کو چھپائے ہوئے ہوتا ہے۔ ان امکانات میں جہاں اقتصادی، معاشی یہاں تک کہ مذہبی و اخلاقی قدریں تک تبدیلی کی جانب گامزن ہو جاتی ہیں۔ اس تبدیل ہوتے ہوئے معاشرے کے پس منظر میں عمل سے زیادہ سوچ کا دخل زیادہ ہوتا ہے۔ یوں ہجرت کا عمل انسانوں کے درمیان کہیں ایک نیا طرزِ فکر کو جنم دے رہا ہوتا ہے، تو کہیں پر زندگی کی شدت کو غیر محسوس طریقے سے کرب کے احساس کے ساتھ دبی ہوئی آرزوؤں میں معاشرے کے منظر نامے پر اپنا عکس چھوڑ رہا ہوتا ہے۔

> "انسان کی ہستی جب "شکست" سے دوچار ہوتی ہے تو وہ ختم نہیں ہوتی بلکہ نئ شدید تر طاقت حاصل کر لیتی ہے۔ انسان پر شکست کا حادثہ گزرنا اس کے تمام اندرونی تاروں کو چھیڑنے کے ہم معنٰی ہے۔ اس کے بعد اس کے تمام احساسات جاگ اُٹھتے ہیں۔ اس کی چھپی ہوئی طاقتیں اپنی ناکامی کی تلافی کے لیے حرکت میں آجاتی ہیں۔ اس کے عزم و ارادہ کو مہمیز لگتی ہے۔ اس کے اندر ہاری ہوئی بازی کو دوبارہ جیتنے کا وہ بے پناہ جذبہ پیدا ہوتا ہے جو سیل رواں کی طرح آگے بڑھتا ہے۔ اس کو روکنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا حتیٰ کہ پتھریلی چٹانوں کے بس میں بھی نہیں"۔(۲)

نسیم حجازی نے اپنا ناول "خاک اور خون" میں زندگی کے ایک ایسے تسلسل کو بیان کیا ہے، جو اپنے اندر ماضی، حال اور مستقبل کی خوشیوں کو چھپائے ہوئے ہوتا ہے۔ لیکن اگست 1947ء کے واقعات نے ایک ایسی ہجرت کو جنم دیا جس کے رنگ نے اُن محفلوں کو ہمیشہ کے لیے ویران کر دیا، جہاں پر قہقہے گونجتے تھے، اُن معصوم چہروں سے ہمیشہ کے لیے مسکراہٹیں چھین لیں، جنھوں نے ابھی صحیح طرح سے مُسکرانا بھی نہیں سیکھا تھا۔

> "پناہ گزینوں کی گاڑیاں پاکستان میں لاشوں کے انبار لے کر پہنچ رہی تھیں۔ مشرقی پنجاب میں ریلوے کے غیر مسلم ملازمین بلوائیوں کو باخبر رکھتے کہ پناہ گزینوں کی فلاں گاڑی فلاں وقت پہنچ رہی ہے اور وہ اِس پر حملہ کرنے کے لیے راستے کے کسی اسٹیشن پر جمع ہو جاتے۔ مردوں کو قتل کر دیا جاتا اور عورتیں چھین لی جاتیں، اگر جتھوں کی آمد میں دیر ہوتی تو راستے کے اسٹیشنوں کے ملازم گاڑیوں کو روک لیتے جو سکھ، ڈوگرہ اور گھور کھا سپاہی ان گاڑیوں کی حفاظت پر متعین ہوتے، خود بھی اس قتل و غارت میں شریک ہو جاتے۔ صرف وہ گاڑیاں پاکستان تک سلامت پہنچتیں جو مسلمان سپاہیوں کی حفاظت میں لائی جاتی تھیں"۔(۳)

ہجرت کا یہ رنگ جس میں سوائے اُس احساس کے جس میں انسان کی انسانیت کہیں کھو جائے، فرد کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ واقعات کے مناظر جو اپنے اندر بہت سی وجوہات سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں، اس بات کا احساس رکھتے ہیں کہ جب انسان اپنی طاقت کو پہچان لیتا ہے۔ تو وہ اُس کو اپنے جیسے ہی دوسرے انسانوں پر آزمانے لگتا ہے۔ تقسیم ہند کی ہجرت نے لاکھوں انسانوں کے اُس اندازِ فکر کو بدل کر رکھ دیا، جسے وہ صدیوں سے اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھا۔ انسان خواب دیکھتا ہے، اور پھر ساری زندگی اُس خواب کو پورا کرنے کے لیے اپنی مکمل توانائی صرف کرتا ہے، خواب خود زندگی کا حصہ ہیں، زمانے کی تبدیلی جہاں ایک جانب معاشرے کے عروج وزوال کا باعث بنتی ہے، تو دوسری جانب نشیب و فراز کا یہ عمل فرد کے ذہن کو ان تبدیلیوں کو قبول کرنے پر آمادہ کرتا ہے، جہاں اس کی دبی ہوئی آرزوئیں موجود ہوتیں ہیں۔ معاشرے کے منظر نامے کی تبدیلی انسانی سوچ کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔

> "مکافاتِ عمل فطرت کا اٹل قانون ہے جو ہر زمانے میں سچا اور حتمی ثابت ہوا ہے۔ فرد کی زندگی سے لے کر قوموں کی حیات تک میں یہ قانون کار فرما نظر آتا ہے۔ اقوام عالم کے عروج اور تنزل کی عبرت انگیز تاریخ، بڑی بڑی مملکتوں اور حکومتوں کے قیام اور ان کی شکست وریخت کے افسانے، دنیا کے قدیم مذاہب اور نظریاتی تحریکوں کی کامیابی اور پھر ان کی ترقی معکوس کی داستانیں اس قانون الٰہی کی اثر انگیزی پر گواہ ہیں"۔(۴)

نسیم حجازی کا ناول "خاک اور خون" ہجرت کے جو مناظر دکھائے گئے ہیں، بعض اوقات انہیں پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے اِس دنیا میں آرام نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے، صرف ایک ایسا انتظار ہے، جس کا اختتام شاید اُس نسل کے پاس ہے، جس کا اِس ہجرت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ناول "خاک اور خون" میں کچھ اِس طرح بیان کیا ہے۔

> "اندھیری راتوں اور موسلا دھا بارشوں میں ماؤں کے سینوں سے چمٹے ہوئے بچے بلکتے، زخمی اور ہیضہ، ملیریا، نمویا اور ٹائیفائڈ کے مریض کراہتے۔ اچانک کہیں سے کسی کی چیخیں سنائی دیتیں۔ لوگوں میں لُٹ گئی۔ میرا بچہ مر گیا۔
>
> یہ چیخیں ہچکیوں اور آہوں میں تبدیل ہو جاتی تو کسی اور کونے سے ماتم کی صدائیں آنے لگتیں، پھر اچانک یہ شور اُٹھتا۔ پانی آ گیا۔ یہاں سے بھاگو- دریا چڑھ رہا ہے، چاروں طرف کھلبلی مچ جاتی۔ بعض لوگ بدحواسی میں دُور ہٹنے کی بجائے دریا کے اندر چلے جاتے اور پانی کا ریلا انہیں بہا کر لے جاتا۔ تاریکی میں لوگ اپنے اپنے ساتھیوں اور عزیزوں کو آوازیں دیتے۔ بارش تھم جاتی تو لوگوں کا شور آہستہ آہستہ کم ہو جاتا۔ لوگ اب بستروں کی بجائے کیچڑ اور پانی میں بیٹھ کر آرام کرنے کے عادی ہو چکے تھے"۔(۵)

انسان جب خود کو ایک ایسے مقام پر پاتا ہے، جہاں وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ رویے، احساسات اور اُس کے ساتھ روا رکھنے والا برتاؤ، اُس کی ذات کو ایک ایسی الجھن میں مبتلا کر رہا ہے، جہاں خود اُس کی ذات کی نفی ہو رہی ہے تو وہ ایک ایسی اذیت میں مبتلا ہو جاتا ہے، جسے بیان کرنا ممکن نہیں ہوتا اور اگر حالات اس، نہج پر ہوں کہ جہاں مذہب کا بھی عمل دخل شامل حال ہو جائے تو پھر وہ دوسری جانب نفسیاتی کشمکش کا بھی شکار ہو جاتا ہے۔

> "خوف کا عنصر قدیم مذہب میں بے حد نمایاں حیثیت کا حامل تھا، جدید زمانے میں بھی بچھڑے ہوئے انسانوں کے سماج میں رہنے والا انسان مستقل خوف اور دہشت میں مبتلا رہتا رہا ہے۔۔۔
>
> ہر نقصان اور بد قسمتی ایک مزید بد قسمتی کی نوید ہوتی ہے، یہ سب کچھ اس وقت تک مستقل طور پر ہوتا رہتا ہے، جب تک کہ اس بدی کے اثرات کا خاتمہ نہ ہو جائے جس کے زیر اثر مذکورہ بالا سب کچھ ہوتا ہے"۔(۲)

انسان جب خوف کو ایک ایسے مقام پر پاتا ہے، جہاں وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ رویے، احساسات اور اُس کے ساتھ روا رکھنے والا برتاؤ، اُس کی ذات کو ایک ایسی اُلجھن میں مبتلا کر رہا ہے، جہاں خود اُس کی ذات نفی ہو رہی ہے تو وہ ایک ایسی اذیت میں مبتلا ہو جاتا ہے، جسے بیان کرنا ممکن نہیں ہوتا اور اگر حالات اِس نہج پر ہوں کہ جہاں مذہب کا بھی عمل دخل شامل حال ہو جائے تو پھر وہ دوسری جانب نفسیاتی کشمکش کا بھی شکار ہو جاتا ہے۔ نسیم حجازی نے اپنے ناول "کلیسا اور آگ" میں اِسی ذہنی انتشار کا ذکر کیا ہے کہ جب لاکھوں افراد صرف مذہب کی بنیاد پر ایک ایسی ہجرت پر مجبور ہو گئے، جسے ہم المیوں کی ہجرت کہہ سکتے ہیں۔ جہاں داخلی اور خارجی کیفیات کے ٹکراؤ نے ایک ایسی فضا کو تشکیل دیا تھا اور ایک ایسی حقیقت کو جنم دیا جہاں ایک جانب طرزِ احساس اپنی شدت کے ساتھ موجود تھا تو دوسری جانب معاشرتی تبدیلیوں نے مسلم قوم کے ذہنی و فکری عمل کو مکمل طور سے مفلوج کر دیا تھا۔

> "جب انھیں ہانک کر جہازوں پر سوار کیا جا رہا تھا تو کلیسا کو اس بات پر حیرت تھی کہ وہ آہ و بکا کی بجائے خوشی کے ترانے گا رہے ہیں اور جو تھوڑا بہت اثاثہ ان کے پاس رہ گیا تھا اُسے اُس خوشی میں لُٹا رہے ہیں کہ انھیں اپنی ذلت کے مسکن سے آزادی نصیب ہو رہی ہے۔۔۔
>
> شمالی علاقوں سے ہزاروں آدمیوں نے کوہ پیرے نیز عبور کیا اور فرانس میں پناہ لی۔ ان میں سے جن کے پاس کچھ وسائل تھے وہ فرانس سے ہجرت کر کے افریقہ پہنچ گئے اور باقی اِدھر اُدھر منتشر ہو کر بھکاریوں کی زندگی بسر کرتے رہے۔۔۔

اسپین جیسے ملک میں چند ہزار انسانوں کو پہاڑوں اور غیر آباد علاقوں میں چھپ رہنا مشکل بات نہ تھی۔ پھر بعض مور سکوز ایسے بھی تھے جو ایک راستے سے ملک سے باہر نکالے جاتے تھے اور دوسرے راستے واپس آجاتے تھے۔ اس ذلت، رسوائی اور ظلم و تشدد کے باوجود اسپین کے سوا انہیں کوئی اور جائے پناہ نظر نہ آئی تھی۔ قتل کر کے سمندر میں پھینک دیا جاتا تھا"۔(۷)

نسیم حجازی نے ناول "اندھیری رات کے مسافر" میں حوصلوں اور آرزوؤں کی ایک ایسی کہانی بیان کی ہے، جس میں ہر فرد اذیتوں اور ایک کرب سے گزرتا ہے، ہسپانیہ کا مسلم معاشرہ جس تیزی سے زوال کا شکار ہوا، اُس نے بے تعلقی کو جنم دیا۔ مذہب کے اثرات کا نفوذ کر جانا انسانی رویوں میں تبدیلی کا باعث بنتا ہے۔ بدلتے ہوئے معاشرے کو نااہل حکمرانوں کی بدولت بغاوت کا سامنا تھا۔ وہ نظریہ اور وہ تحریک جو ہسپانیہ میں آٹھ سو سال قبل وقوع پذیر ہوئی تھی، اب اِس نہج پر آچکی تھی کہ،

"جب ہم ایک قوم تھے، ہمارا ایک مرکز اور ایک پرچم تھا، ہم جبل الطارق سے لے کر اندلس کی آخری حدود تک ہر رزم گاہ میں اللہ کی نصرت کے معجزات دیکھا کرتے تھے۔ لیکن۔ جو شاخیں ایک تن آور درخت سے کٹ جاتی ہیں۔ انہیں بالآخر تند و تیز آندھیاں اُڑا کر لے جاتی ہیں۔۔

جس عمارت کی بنیادیں اکھڑ جاتی ہیں، انہیں پیوندِ زمین ہونے کے لیے صرف ایک ہلکے سے زلزلے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہماری سعی اتحاد کی واحد بنیاد ہمارا دین تھا اور ہم یہ سمجھ سکتے تھے کہ جس قدر ہمارے نظریاتی حصار کی بنیادیں کمزور ہوتی جائیں گی اُسی قدر ہم انتشار اور لامرکزیت کا شکار ہوتے جائیں گے"۔(۸)

نسیم حجازی نے اِس ناول میں کرداروں کے احساسات، اُن کے رویے اور جذبات کو اس طرح سے ماحول کے مطابق ڈھالا کہ زوال اندلس میں ہجرت کے موقع پر پیش آنے والے واقعات اور فسادات نے اُن لاکھوں مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ کیا اُن کی تقدیر میں ایک ایسی ہجرت لکھی ہوئی ہے، جس کی کوئی منزل نہیں؟ انتہائی مایوسی میں مبتلا کر دینے والی سوچ نے انہیں انتہائی کرب میں مبتلا کر دیا تھا۔ یہ ناول جہاں ہجرت کے موقع پر رونما ہونے والے فسادات کے تلخ تجربات کے ساتھ ساتھ اُن یادوں کا بھی آئینہ

ہے، جہاں قوم کی تقدیر سے کھیلنے والوں نے اپنی حمیت کو غیروں کے آگے بیچ دیا تھا۔ یوں یہ ہجرت تاریخ میں اُس المیے کی کہانی ہے۔ جس کے کئی رُخ آج بھی ہماری آنکھوں سے اُوجھل ہیں۔

> "ہم پر ایک ایسا وقت بھی آسکتا ہے، جب اُندلس کے مقہور و مجبور مسلمانوں کے لیے ہجرت کے سوا کوئی چارہ نہ ہو، ایسی صورت میں اگر ہمارے لیے ہجرت کے راستے بھی کُھلے رہ سکیں تو یہ بھی آپ لوگوں کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہو گا۔۔۔
>
> زمانے کے طوفانوں میں ہمیں بعض اوقات یہ بھی خیال نہیں رہتا کہ زندگی کی کتنی راحتیں تھیں جو ہم وقت کے بے رحم ہاتھوں سے چھین سکتے تھے"۔(۹)

نسیم حجازی نے ہجرت میں احساسات کی جو کہانیاں بیان کی ہیں، اُس ماحول میں قاری کے لیے یہ سمجھنا آسان ہو گیا کہ وہ کون سی وجوہات تھیں، جن کی وجہ سے بعض اوقات ایسی ہجرت بھی وقوع پذیر ہوئی، جو بنیادی طور پر فطرت کے خلاف تھی۔ انسانوں میں موجود کِردار کہیں بغاوت کے رنگ میں نظر آتے ہیں، تو کہیں ایک ایسا جذبہ اُن کے اندر کارفرما ہوتا ہے، جو انہیں مذہب اور تنگ نظری سے لڑنے کا حوصلہ دیتا ہے۔ مسلم معاشرے کی کمزوریوں اور مجبوریوں نے انہیں ایک ایسے ہندو معاشرے کے آگے لا کھڑا کیا۔ جن کا مقصد ہی مسلمانوں کا خون بہانا تھا۔ 1947ء کے واقعات اپنے اندر اتنے دُکھ اور درد رکھتے ہیں کہ آج ہم ان تمام حادثوں کی کسک اپنے دل میں آج تک محسوس کرتے ہیں۔ بعض ہجرتیں تو کچھ اِس طرح واقع ہوئیں کہ وہ راستوں ہی میں اپنی منزلوں سے دُور چلے گئے اور کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ اُن لوگوں پر کیا بیتی جو اندھیروں میں کہیں بھٹک گئے۔

نسیم حجازی ایسی ہجرتوں کو ناول "گمشدہ قافلے" میں پورے احساسات و جذبات کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ آپ سب سے پہلے وہ وجوہات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں،

> "گم شدہ قافلے۔۔ انگریز کی اسلام دشمنی اور بنیے کی عیاری اور مکاری کی داستان ہے۔۔۔
>
> انگریز اور ہندوؤں کی سازش نے نہ صرف گورداسپور ایسے خوبصورت اور زرخیز علاقے کو مسلمانوں سے چھین کر ہندوؤں کے سُپرد کر دیا چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے ہزاروں نہتے مسلمان ان کے خون کی پیاس بجھانے کے لئے مہیا کر دیئے۔۔۔
>
> آج ہم صرف تصور میں ماضی کے ان قافلوں کو منزل کا رُخ کرتے دیکھ سکتے، جن میں عورتیں بھی ہیں، جوان مرد بھی بچے بھی ہیں اور بوڑھے بھی۔۔۔

یہ اُن پہاڑی سلسلوں سے اپنی منزل۔۔پاکستان کی طرف رواں ہیں لیکن ہر علاقے کا کونہ کونہ ہندو بلوائیوں اور سکھ ریاستوں کے فوجیوں نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے،

عوام تک ان لوگوں کی داستانیں پہنچ سکی ہیں جو راستے کے کسی شہر یا اہم سڑک پر مارے گئے تھے اور جو لوگ راستے کے جنگلوں اور کھیتوں ہی میں گم ہوگئے تھے، ان کا ذکر کہیں نہیں آتا"۔(۱۰)

ہجرت کے موقع پر ایسے لمحات بھی آتے ہیں، جب انسان حسرت کی تصویر بن کر ایک ایسے زمانے میں کھو جاتا ہے، جہاں یا تو وہ مقدر کو قصوروار سمجھتا ہے یا پھر اپنی محرومیوں کا۔

"خُدا کی دنیا میں انسان بظاہر ایک تضاد ہے۔ ایک ایسی دنیا جہاں سورج ہر روز ٹھیک اپنے وقت پر طلوع ہوتا ہے، وہاں انسان کا یہ حال ہے کہ آج ایک بات کہتا ہے اور کل وہ اس سے پھر جاتا ہے جس دنیا میں سخت پتھروں کے اندر سے بھی پانی نکل پڑتا ہے وہاں ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ بدترین بے دردی کا ثبوت دیتا ہے۔۔

یہ سب کچھ اس دنیا میں ہر روز ہو رہا ہے مگر خدا یہاں مداخلت نہیں کرتا، وہ اِس تضاد کو ختم نہیں کرتا۔۔۔۔

اِسی سوال نے ہر زمانے کے سوچنے والوں کو سب سے زیادہ پریشان کر دیا ہے۔ مگر یہ سوال صرف اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ مخلوقات کے بارے میں ہم خالق کی حکمت کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ خالق کی اسکیم میں دنیا دارلامتحان ہے مگر ہم اِس کو دادالجزاء کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں"۔(۱۱)

بہر حال اِس ناول میں ہجرت کا جو رنگ نمایاں ہے، اُس میں جہاں ایک جانب احساس کی شدت کو دکھایا ہے، وہیں ایک جذباتی فضا کو بھی برقرار رکھا ہے، سماج کا رویہ جو مذہب کی آڑ میں دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ایک خاص کیفیت کو اُجاگر کیا ہے،

"چند منٹ بعد وہ گاؤں کی مسجد میں داخل ہوا۔ اور وضو کر کے نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ نماز کے دوران وہ بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کر رہا تھا۔ یہ مسجد اُس کے پردادا کی یادگار تھی اور یہاں آخری نماز ادا کرنے کے بعد وہ پاکستان کی سلامتی اور ان عزیزوں کی سلامتی کی

دُعا مانگ رہا تھا، جو پاکستان جا چکے تھے۔ اُس نے مسجد کے فرش پر ہاتھ رگڑ کر اپنی آنکھوں
سے لگا لیے اور اُٹھ کر باہر نکل آیا"۔(۱۲)

نسیم حجازی نے ہجرت کے سفر میں جو احساسات کی کہانیاں بیان کیں ہیں، وہ اِس شعور کا احساس دلاتی ہیں کہ اگر کسی معاشرے میں شعور ناپید ہو جائے تو کہیں مذہب، کہیں رسم و رواج، کہیں لسانی تعصبات تو کہیں پر غلامی و نفرت کے نام پر جو استحصالی قوتیں جنم لیں گی، وہ ایسے اسباب پیدا کر جاتی ہیں کہ جن سے ہزاروں افراد متاثر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یوں خواہشات کا عمل جب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو تا جائے تو انسان نفسیاتی طور پر ایک ایسے جبر کا شکار ہو جاتا ہے، جو اُسے ہجرت پر مجبور کر دیتا ہے۔ یوں پورے ماحول میں مخالف قوتیں سر گرم عمل ہو جاتیں ہیں۔ نسیم حجازی نے ناول "انسان اور دیوتا" میں اُن افراد کا ذکر کیا ہے جو روح کی گہرائیوں تک میں اپنے ہم مذہب کے غلام بن گئے تھے، لیکن ایک ایسی ہجرت پر مجبور تھے، جو نہ صرف ذہنی طور پر بلکہ جسمانی طور پر بھی نفسیاتی طور پر احساس گناہ لیے ہوئے تھی۔

"ایک نوجوان ایک زخمی بچے کو اُٹھائے آگے بڑھا اور اسے سکھدیو کے پاؤں میں لٹا کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ سکھدیو نے دیکھا کہ اس ننھے معصوم کے سینے سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا ہے اور وہ سہمی ہوئی آنکھوں کے سوا جسم کے باقی اعضا سے زندگی کے آثار ختم ہو چکے ہیں۔ سکھدیو جانتا تھا کہ اِس بچے کی ماں کے علاوہ کئی اور عورتوں، مردوں، بچوں اور بوڑھوں کی نگاہ میں اس کی طرف لگی ہوئی ہیں اور اُن کی نگاہوں کے سامنے سر اُٹھانے کی بجائے اسے اپنی توجہ اِس بچے پر مرکوز رکھنا زیادہ آسان نظر آیا وہ اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ تلوار زمین پر رکھ دی اور بچے کے سر کو اپنے ہاتھ کا سہارا دے کر اُوپر اٹھایا اور غور سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ بچے نے ایک گہری سانس لی اور اس کے ساتھ ہی خون کی ایک ہلکی سی دھار منہ سے بہہ نکلی اس کی چمکتی ہوئی خوبصورت آنکھوں میں زندگی کی روشنی کی آخری جھلک آہستہ آہستہ ماند پڑ گئی۔ سکھدیو نے اپنے ہاتھ سے اس کی آنکھیں بند کر دیں اور اس کا سر پھر زمین پر رکھ دیا۔ ایک عورت جگر دوز چیخوں کے ساتھ آگے بڑھی اور اس نے معصوم بچے کی لاش اٹھا کر اپنے سینے کے ساتھ لگا لی۔

سکھدیو اٹھ کر کھڑا ہو گیا، اور سپاہیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ سپاہی جو کئی میدانوں میں سکھدیو کے گھوڑے کو دشمن کی لاشوں سے گزرتا ہوا دیکھ چکے تھے، ایک اچھوت بچے کی موت پر اسے اس قدر مغموم دیکھ کر حیران رہ گئے"۔(۱۳)

معاشرے کی کمزوریوں اور مجبوریوں کے خلاف ایک ہلکی سی مزاحمت بھی بعض اوقات بہت بڑی تبدیلی کا باعث بن جاتی ہے۔ انسانی بھوک ایک ایسا عنصر ہے جو انسان کو بے حس بنا دیتی ہے۔ اس فرد کا کیا حال ہو گا، جس نے ساری زندگی ایک چھوٹی سی خواہش کو اپنے اندر زندہ رکھا، لیکن وہ اسے پورا اس لیے نہ کر سکا کہ انسانوں کے درمیان ایک ایسی دراڑ آگئی تھی جس نے دو انسانوں کے ذہنی فرق کو اِس حد تک متاثر کیا کہ برسوں کا سفر لمحوں میں بدل کر رہ گیا۔ یوں ہجرت ایک فریق کا مقدر ٹھہری۔ سماج میں چھپا ہوا یہ رویہ اُس خاص کیفیت کر اُجاگر کرتا ہے، جہاں معاشرتی ضرب انہیں نڈھال کر کے رکھ دیتی ہے۔ ناول "انسان اور دیوتا" میں جو انسان جسے سماج نے شعور کا نام دیا ہوا ہوتا ہے، اِسی کیفیت میں مبتلا رہتے ہیں۔

> "جن لوگوں میں تم نے زندگی کے چند سال گزارے ہیں وہ نئے نئے غلام ہوئے ہیں، اور ان میں ابھی آزادی کی تھوڑی سی رمق باقی ہے، لیکن تم اُن اچھوتوں کو نہیں جانتے جو برسوں سے غلام چلے آتے ہیں۔ وہ طاقتور کی لاٹھی کے اشارے کو بھگوان کا قانون سمجھتے ہیں۔ اگر تم انہیں جا کر یہ کہو کہ تم میں اور تمہارے اونچی ذات کے آقاؤں میں کوئی فرق نہیں تو وہ حیرت سے تمہارا منہ دیکھیں گے۔ اگر تم اُن سے یہ کہو کہ آزادی تمہارا پیدائشی حق ہے تو وہ تمہیں دیوانہ کہیں گے اور اگر تم یہ کہو کہ بھگوان کی نظر میں اونچ اور نیچ ایک سا درجہ رکھتے ہیں تو وہ تمہیں پاپی سمجھیں گے"۔(۱۴)

ہسپانیہ تاریخ کا ایک ایسا آئینہ ہے، جہاں صدیوں تک مسلمانوں نے دنیا کو وہ اُصول دیے کہ جس کی بدولت کئی اقوام نے عروج حاصل کیا، لیکن جب مسلم معاشرے میں مادیت پرستی اور کرپشن نے عروج حاصل کیا تو ظلم و زیادتی کے راستے کُھلنے لگے کہ جس نے آنے والی نسلوں کو ایک ایسی ہجرت پر مجبور کیا کہ جس کی بدولت نہ صرف اُن سے جدا ہوا بلکہ اُن کا مذہب اُن کی ثقافت اُن کی پہچان سب کچھ چھن گیا۔ ناکردہ گناہوں کی ایک ایسی سزا ملی جس کا کفارہ کئی نسلوں نے ادا کیا۔

> "اموی خاندان کی حکومت پر گرفت کمزور پڑتے ہی ابن ابی عامر کے ہاتھ اقتدار آیا اور اندلس کے اندر امن وامان اور حکومت کے استحکام والی سابقہ کیفیت باقی نہ رہی۔ ملوک الطوائف نے اندلس کے ہر بڑے شہر کو اپنا پایہ تخت قرار دیا اور ایک ملک کے اندر چھوٹے چھوٹے جزیروں کی طرح کئی حکومتیں اور تخت وجود میں آگئے۔ باہمی لڑائی، جھگڑے اور جنگ و جدل نے مسلمانوں کی قوت کو پراگندہ کر دیا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مسلمان اپنی لڑائیوں میں عیسائیوں سے مدد لینے لگے۔ یوں مسلمانوں کے باہمی افتراق اور انتشار نے ان کے آٹھ سو سالوں پر محیط اقتدار کی بساط لپیٹ دی۔ مرابطین اور موحدین نے مسلمانوں

> کی شیرازہ بندی کرنے اور اندلس کو دوبارہ اسلامی سلطنت میں شامل کرنے کی کوشش کی لیکن ان کی یہ کوشش رنگ نہ لائیں"۔(۱۵)

جب مسلم معاشرہ عدم توازن اور عدم تحفظ کا شکار ہونے لگا تو ہر شخص نہ صرف اپنی ذات تک محدود ہو کر رہ گیا بلکہ زندگی کی حقیقی خوشیوں اور اُس سکون کا متلاشی بن گیا جو کبھی اُس کے آباؤ اجداد میں موجود تھا۔ مایوسی کے اس سائے نے پورے معاشرے کو جکڑ کر رکھ دیا تھا۔ یہ احساس آہستہ آہستہ پنپتا جارہا تھا کہ مجبور اور بے بس انسانوں سے وہ سلوک کیا جانے والا ہے کہ جس کے بعد ہزاروں ولاکھوں انسان اپنی جانوں سے گزر جائیں گے یوں خوف کے اس عہد میں جب معاشرہ مکمل طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر اپنی آخری سانس لے رہا تھا، نسیم حجازی نے ناول "شاہین" میں مسلمانوں کی ہجرت کے جو اسباب بیان کیے ہیں، اُن میں ایک سبب یہ بھی بتاتے ہیں کہ اُس وقت غرناطہ کے حکمران، علماء اور اُمراء ملت فروش، غدار اور دنیاداری کی جانب مکمل طور سے مائل ہو چکے تھے۔ یوں لاکھوں مسلمانوں کو ایک ایسی ہجرت کرنی پڑی جہاں زندگی کا کوئی رُخ متعین نہیں تھا۔

> "عیسائی حکومت نے یہ اعلان کیا کہ اسپین کے مسلمانوں کے لیے صرف تین راستے ہیں، ترکِ اسلام، ترکِ وطن یا موت ان حالات میں لاکھوں مسلمان مراکش کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔ شمال کے قافلے جنوب کی بندر گاہوں کا رُخ کرتے۔ جو لوگ راستے میں لوٹ مار سے بچ کر ساحل تک پہنچتے انہیں مراکش پہنچنے کے لیے جہاز رانوں کو بھاری اُجرت ادا کرنی پڑتی۔۔
>
> اندلس کے مسلمانوں پر کیا گزری؟ ان میں سے کتنے لاکھ تھے جنہیں ملک بدر کرنے سے پہلے ان کے نابالغ بچے ان سے چھین لیے گئے؟ کتنے ہزار تھے جنہیں آگ میں زندہ جلایا گیا۔ کتنے تھے جنہیں بدترین اذیتیں دے کر موت کے گھاٹ اُتارا گیا؟ اُن عورتوں کی تعداد کیا تھی جنہیں درے مار کر ہلاک کیا گیا"۔(۱۶)

نسیم حجازی نے مسلم قوم کی زندگی کے نشیب و فراز کا باقاعدہ مطالعہ کیا، اور اُن وجوہات پر غور کیا جس کی وجہ سے مسلم قوم کو عروج و زوال کے چکر سے گزرنا پڑا۔ آپ کے نزدیک سیاسی و سماجی شعور جب تک مسلمانوں میں موجود رہا۔ رواداری کا عنصر ان میں شاملِ حال رہا۔ اس طرح سے اخلاقی و مذہبی لحاظ سے معاشرہ کسی بھی انتشار سے بچا رہا۔ لیکن جب علم کا زوال ہوا اور رواداری کا خاتمہ ہوا تو مسلم قوم داخلی و خارجی سطح پر دباؤ کا شکار ہو گئی۔ اِس طرح سے پورے سماج میں یہ احساس پیدا ہونے لگا کہ زندگی کچھ اِس طرح سے تغیرات کا شکار ہو گئی ہے کہ اب ہجرت کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ مسلم قوم کو زماں و مکاں کے اثرات نے مکمل طور پر بدل کر رکھ دیا۔ سماج کو سمجھنا اور پھر اِن میں پائی جانے والی تلخیوں کو محسوس کرنا۔ ایک ایسا عمل ہے، جس نے لاکھوں انسانوں کو ہجرت پر مجبور کیا،

ایک ایسی ہجرتیں جس کے اندر دُکھ، درد اور قربانیوں کی انمٹ داستانیں پوشیدہ ہیں۔ سماج کی مردہ پرستی اور ظلم و زیادتی کے پنپنے کی وجوہات نے جو اضطراب پیدا کیئے، اُس نے انسانوں کے اندر مایوسی کو پیدا کیا، اضملال میں مبتلا افراد نے جب زندگی کی طرف لوٹنا چاہا تو اُن کے سامنے وہ تکلیف دہ حقائق آ گئے، جن کو محسوس کر کے ہم آج بھی مغموم ہو جاتے ہیں۔

نسیم حجازی نے ماضی کی جب بھی کوئی تصویر دکھائی، ہمیں ایسا محسوس ہوا، جیسے ہمارے سامنے الفاظ نہیں بلکہ جیتی جاگتی تصاویر موجود ہیں۔ آپ نے ہجرتوں کے سفر میں واقعات اور مناظر کو کردار کے ساتھ ساتھ چلایا۔ بعض اوقات شدت جذبات سے ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے نسیم حجازی اپنے اُسلوب کی مدد سے اُس سفر کے مزاج میں رچ بس گئے ہیں۔ بہر حال نسیم حجازی نے اپنے ناولوں میں جب بھی ہجرت کے سفر کو بیان کیا آپ نے اُن تاریخی عوامل پر ضرور روشنی ڈالی جن کی بدولت مسلم قوم کی تقدیر میں ہجرت کا سفر لکھ دیا گیا۔

حوالہ جات:

۱۔ وحید الدین خان، مولانا، رازِ حیات، رُمیل ہاؤس، راولپنڈی، ستمبر 2019ء صفحہ ۱۰۔

۲۔ وحید الدین خان، مولانا، رازِ حیات، رُمیل ہاؤس، راولپنڈی، ستمبر 2019ء صفحہ 210۔

۳۔ نسیم حجازی، خاک اور خون، جہانگیر بکس، کراچی، س ن، صفحہ 519۔

۴۔ محمد اسماعیل ریحان، مولانا، شیر خوارزم سلطان جلاالدین، خوارزم شاہ اور تاتاری یلغار، المنہل، کراچی 2012ء، صفحہ 23۔

۵۔ نسیم حجازی، خاک اور خون، جہانگیر بکس، کراچی، س ن، صفحہ 534۔

۶۔ ترجمہ، محمد ارشد رازی، عالمی تہذیبوں کی داستان، نگارشات، 2021ء، صفحہ 31۔

۷۔ نسیم حجازی، کلیسا اور آگ، جہانگیر بکس، کراچی، صفحہ 221،220۔

۸۔ نسیم حجازی، اندھیری رات کے مسافر، جہانگیر بکس، کراچی، صفحہ 437۔

۹۔ نسیم حجازی، اندھیری رات کے مسافر، جہانگیر بکس، کراچی، صفحہ 490،491۔

۱۰۔ نسیم حجازی، گمشدہ قافلے، جہانگیر بکس، کراچی، صفحہ پیش لفظ۔

۱۱۔ مولانا وحید الدین خان، اللہ اکبر، فکشن ہاؤس، لاہور، صفحہ 317،316۔

۱۲۔ نسیم حجازی، گمشدہ قافلے، جہانگیر بکس، کراچی، صفحہ 482۔

۱۳۔ نسیم حجازی، انسان اور دیوتا، جہانگیر بکس، کراچی، صفحہ 74،75۔

۱۴۔ نسیم حجازی، انسان اور دیوتا، جہانگیر بکس، کراچی، صفحہ 399۔

۱۵۔ محمد احمد زبیری، اندلس میں علم حدیث کا ارتقاء، دارالنودر، لاہور، 2011ء، صفحہ 47،48۔

۱۶۔ نسیم حجازی، شاہین، جہانگیر بکس، کراچی، صفحہ 509۔

☆☆☆